

ابن تیمیہ متفرد کیوں؟ اسباب و علل کا تجزیاتی مطالعہ

A Research Review of the Reasons of Ibn Taymiyya's Distinctions

*Muhammad Fazal Haq Turābī

Ibn Taymiyya is known as a controversial figure due to his differences. Most of the scholars have differed with him on most of the jurisprudential and principled issues. There are many reasons for Ibn Tamiya's differences. The difference between intellect and its use is the most important, that is, the way of thinking. The jurisprudential ability and competence that elevated him to the status of ijtiḥād was a result of uniqueness in ijtiḥād and jurisprudence. Disagreements can be caused by the circumstances of that era and the behavior of the people of that era. All the principles and their preferred methods based on which he solved jurisprudential and doctrinal issues and all the reasons why he disagreed with a section of the ummah and the ummah know these differences in the form of the differences of Ibn Taymiyya. It is very important that his jurisprudential insight and ijtiḥād efforts be revealed, although in many issues the majority of the scholars of the ummah have disagreed with him and their opinion differs from the great taste. Ibn Tamiya's method of inference in jurisprudential and principled issues and the principles by which he formed an opinion on an issue and on what basis he preferred principles in solving problems are the key issues that will be discussed in the following article.

Key words: Ibn Taymiyya, Islamic Jurisprudence, Jurisprudential principles, Distinctions, Ijtiḥād.

تعارف

قرون اولیٰ میں اسلام میں منجملہ عبادات، معاملات اور تعاملات کے بارے میں براہ راست قرآن و سنت سے راہنمائی اور روشنی لی جاتی تھی۔ چوتھی صدی ہجری سے پہلے تک کسی امام یا کسی فقہی مذہب کی تقلید کا عام رواج اور دستور نہیں تھا۔ تقلید اور کسی مذہب کے تعین اور التزام کے بغیر اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جاتا رہا ہے۔ اور ان کی فہم و کیاست کے مطابق وہ شریعت اسلام پر ہی عمل کر رہے ہیں۔ اور براہ راست اللہ جل جلالہ کے رسول معظم ﷺ ہی کی تعلیمات پر براہ راست عمل کر رہے ہیں۔ بوقت ضرورت اور حاجت کسی عالم دین سے مسئلہ کی دریافت کی جاتی تھی اور اس کے فتویٰ پر عمل کیا جاتا تھا۔ یہ بھی اسلامی تعلیمات پر عمل کی ایک براہ راست صورت تھی جو فطرت اور دینی تقاضوں کے عین مطابق تھی اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے:

* Ph.D Research Scholar, Dept. of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur.

" فَسَلُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ¹

اس صورت حال میں بھی چوتھی صدی کے معاملات دینی اور اسلامی بغیر تقلید کے رواں دواں تھے اور عمل کی صورت حال تسلی بخش تھی۔ اس صدی میں بھی ایک معین مذہب کی تقلید خالص کا کوئی عام رواج اور دستور ہر گز نہ تھا اور کسی معین مذہب کے اصول و طریق پر فتنی اور استفتاء کا بھی عام چال چلن نہ تھا۔

اس صدی میں دو طبقات تھے۔ ان دو طبقات کا معاملہ الگ الگ اور مختلف النوع تھا۔ عوام اور خواص کے دو مختلف طبقات تھے۔ عوام اجتماعی مسائل میں اور ان مسائل میں جنکے اندر فقہاء کا آپس کا اختلاف نہیں ہے۔ رسول کریم ﷺ کی پیروی اور تقلید کرتے تھے۔ اہم عبادات مثلاً وضو، نماز، اور زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل اپنے شہر کے مشہور و معروف اور کتاب و سنت کے عامل اساتذہ اور تربیت کنندگان سے سیکھ کر ان پر عمل کرتے رہتے تھے۔ غیر معمولی صورت حال میں اور مشکلات میں درپیش مسئلہ کے بارے میں کسی مفتی سے استفادہ کرتے تھے۔ مگر وہ مفتی کسی مذہب یا امام کا پابند نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی مستفتی کسی مذہب یا امام کی قید سے فتنی کا طلب گار ہوتا تھا۔ اسلام اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کا ایک فطری اور سادہ سا طریق کار تھا۔ یہی خاصیت تھی جس کی وجہ سے اس دور کے سادہ لوح انسان بھی جدیدیت کے اس دور کے اچھے خاصے پڑھے لکھے انسان سے ترقی میں کوسوں آگے تھے۔ بس اسلامی تعلیمات کے بارے میں اپنے معاملات کے سلجھاؤ کے بعد اس پر عمل شروع ہو جاتا تھا۔ اس انداز میں اس دور کی حیثیت بھی ایک اعلیٰ، کتاب و سنت کی شاہراہ پر سادہ، تصنع اور ملاوٹ کے بغیر جاری و ساری تھی۔ جس میں اسلامی تعلیمات پر خالصیت اور لہیبیت سے عمل کیا جاتا تھا۔ جو قرون اولیٰ کا ایک نمونہ تھا اور وہی تعلیمات ہی روح اور جان کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اس صدی کے دوسرے طبقہ کے بارے میں یہ امر ہے کہ جو طبقہ خواص کا تھا جو حدیث نبوی ﷺ کے ساتھ ایک خاص ربط اور تعلق رکھتے تھے۔ حدیث کے ساتھ شغل اور مصروفیت کی وجہ سے ان کی احتیاج اور ضرورت نہ ہونے کے برابر رہی تھی۔ کیونکہ ان کے پاس احادیث صحیح اور صحابہ کے آثار کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا، جس کی موجودگی میں ان کو ادھر ادھر نظر التفات کلی طور پر منع تھا۔ مشہور حدیث جس پر فقہاء کرام عامل تھے اور جس پر عمل نہ کرنے کا کسی کے پاس کوئی عذر لنگ بھی نہیں ہے یا اکثر صحابہ اور تابعین کے اقوال جن کو ایک دوسرے کی تائید حاصل تھی۔ ان کیلئے کفایت کا سامان رکھتے تھے۔ قلبی اطمینان نہ ہونے کی صورت میں اس وجہ سے کہ روایات ایک دوسرے کے متعارض ہیں یا وجوہات ترجیحات بھی ظاہر و باہر نہیں ہیں۔ یا کسی اور اشکالی اور مشکل کی صورت میں متقدمین فقہاء کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ان کے اقوال اگر متعدد ہوتے تو ان میں سے جو قول زیادہ قابل اعتماد اور دلائل اور براہین کے ساتھ کتاب و سنت کے قریب ہوتا تو اس اصول کو اختیار کر لیا جاتا تھا۔ اس میں کسی تعصب کا مظاہرہ نہ کیا جاتا تھا۔ خواہ وہ قول اہل مدینہ کا ہے یا وہ قول اہل کوفہ کا ہے۔

وضاحت اور صراحت سے تہی دامن مسئلہ میں پاتے تو اہل تخریج اپنی تخریج اور اجتہاد فی المذہب سے کام لیتے اور کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی تخریج اور فقہاء کو انہیں مذہب کی طرف منسوب کر دیا جاتا تھا۔ جس میں وہ اپنی تخریج اور فقہاء کا مظاہرہ کرتے تھے۔ محدثین کرام کا ایک خاص گروہ یہ بھی کرتا تھا جس مذہب کی طرف ان کا قلبی میلان اور تعلق ہوتا تھا تو اکثر مسائل میں وہ اسی مذہب سے اتفاق کر لیتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے محدثین کو ان مذاہب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسے نسائی جو حدیث کے بہت

¹ Al-Anbiya' 21:7.

بڑے امام ہیں اور بیہقی جو حدیث میں امامت کے درجہ پر فائز ہیں۔ ان محدثین کو شوافع کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملکی سیاسی اور تمدنی حالات کی شاہراہ کو رواں دواں رکھنے کیلئے یہ بھی ضروری ہو گیا تھا۔ اس وقت میں قضا اور افتاء کے عہدوں اور مناصب عالیہ پر انہی لوگوں کو سرفراز کیا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ فقہیہ اس وقت میں اس کو کہا جاتا جو اجتہاد کی قابلیت اور صلاحیت رکھتا تھا۔ شاہ ولی بن عبد الرحیم لکھتے ہیں۔

"فكان لايتولى القضاء ولا الافتاء الا مجتهد ولا يسعني الفقيه الا

مجتهداً"۔²

ابن تیمیہ پوری زندگی مبالغہ اور غلو سے انحراف اور بچنے کی تعلیم و تربیت کرتے رہے، مگر آپ کے بعد آپ کی شخصیت سے متاثر لوگوں نے آپ کے بارے میں بھی غلو اور مبالغہ کی راہ اختیار کرنے میں کوئی کمی نہ چھوڑی اور یوں ان مبالغہ اور غلو کرنے والوں نے آپ کی شخصیت کی تعلیم و تربیت کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ آپ کی ثقافت اور اجتہادیت کے بارے میں غلو کرتے ہوئے آپ کو مجتہد مطلق قرار دے دیا گیا۔ جس کا آسان سامطلب یہ ہے کہ آپ کسی مذہب سے کوئی انتساب نہیں رکھتے تھے۔ اصول و ضوابط اور فروعات میں اپنے ایک مستقل مسلک کے حامل تھے۔ یہ بلا دلیل دعویٰ افراط سے معمور ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی ثقافت کیلئے ضرر رساں بن سکتا ہے اور دوسرے مذہب کیلئے سوء ادبی کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔

سید محمد صدیق حسن خان قنوجی آپ کے تعارف میں رقمطراز ہیں۔ "شیخ الاسلام امام الائمہ المجتہد المطلق"³
ایک دوسرے مقام پر آپ لکھتے ہیں۔

"امامین ہمامین شیخ الاسلام حضرت احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ حرانی وحافظ

محمد بن ابی بکر ابن القیم باوجود بلوغ رتبہ اجتہاد مطلق نزد عامہ منتسب

بسوئے امام احمد اند"⁴

ابن تیمیہ کے بارے میں مجتہد مطلق کا دعویٰ خام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اکثر آراء و افکار میں مذہب حنبلی سے وابستہ نظر آتے ہیں اور کھلے لفظوں میں اس کا اظہار کر چکے ہیں کہ یہ مذہب تمام مذاہب میں بہتر اور اقرب الی السنۃ ہے۔ اختلاف اقوال میں امام احمد کا مذہب رائج ہے۔ منفرد ہونے کی صورت میں ایسا قول بھی مل جائے گا جس میں دوسرے آئمہ موافق ہوں گے۔ ابن تیمیہ احمد بن عبد الحلیم (728ھ) لکھتے ہیں۔

²Shāh Walī Allāh Ahmad bin 'Abd al-Raḥīm, Hujjat Allāh al-Bālighah (Karāchī: Nūr Muhammad Kārkhānah Tijārat, S.N), 1:153.

³Al-Tāj al-Mukallil min Jawāhir Māthar al-tarāz al-ākhir (Qatar: Wazārat al-awqāf wa al-sha'ūn al-Islāmiyyah, 2007 A.D), 413.

⁴Abu Al-Tayyib Muhammad 'Atā'ullah Bhūjiyānī, Hayāt Sheikh al-islām Ibn e Teimiyyah (Lahore: Maktabah Salfiyah 1971 A.D), 663.

"وان كان له بصر بالادلة الشرعية عرف الراجح في الشرع"⁵

ابن تیمیہؒ نے اپنے مذہب کی بنیاد امام احمد کے اصولوں پر رکھی ہے۔ جس کی وہ مخالفت کے درپے بھی نہیں ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے مجتہد مطلق یا مستقل مجتہد کا دعویٰ تو خام ہے۔ آپ کو مذہب حنبلی کا فقہیہ بھی نہیں گردانا جاسکتا ہے۔ کیونکہ حفظ احادیث، تقابلی مطالعہ، اصول فقہ کے دقائق کا علم، استقلالی شان، مجتہدانہ بصیرت اور شرائط اجتہاد کا اجتماع اس بات کی نفی کرتا ہے۔ افراط و تفریط سے بچ کر رائے قائم کی جائے اور غلو سے کام نہ لیا جائے تو اس صورت حال میں آپ کے لئے مجتہد منتسب کا دعویٰ بلا تاویل کیا جاسکتا ہے۔ محمد ابو زہرہ لکھتے ہیں۔

"القول المعتدل الذي لامغالة فيه ولاشطط ولابخس ولاركس

انه مجتهد منتسب"⁶

آپ میں مطلق یا منتسب کی خصوصیات پائی جاتی ہیں مگر آپ کا دور تو اجتہاد کے دور کے بعد کا دور ہے اور اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخصیت کو پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی تو ایسا دعویٰ کیا گیا ہے جیسے ابن الصمام جو علوم عقلیہ اور نقلیہ کے ماہر تھے۔⁷ اور جس کو رد بھی کیا گیا ہے کہ وہ فقیہ النفس بھی نہ تھے۔⁸ آپ کے فتاویٰ اور اختیارات اس دلیل کیلئے کافی ہیں کہ آپ مجتہد منتسب تھے۔ حنبلی مذہب سے موافقت بر بنائے تقلید نہیں ہے بر بنائے تحقیق ہے۔ موافقت بر بنائے تحقیق اور اختیارات میں متفرد ہونا بر بنائے فقہات اور اجتہاد ہے۔ ابن تیمیہؒ تو صاحب صلاحیت کیلئے شدت سے تقلید کی مخالفت کے درپے تھے۔ ابن تیمیہؒ کی آراء اور افکار کو حنبلی مذہب کی ذیلی فروع میں اس لئے شمار نہیں کیا گیا ہے کیونکہ مذہب حنبلی کو مدون ہوئے پانچ صدیاں بیت چکی تھیں دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگ آپ کو تفرّد کا الزام دیتے تھے آپ برابر ثابت کرتے رہے کہ یہ مسائل آئمہ اربعہ کے اصول استدلال پر مبنی ہیں اور انہی کی نوع سے ہیں مگر شدید مخالفت کی وجہ سے حنابلہ کیلئے یہ جسات کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ دوسری طرف قید و بند کی صعوبت کی وجہ سے آزادانہ اور خود مختارانہ آپ اشاعت نہ کر سکے۔

ابن تیمیہؒ کے متفرد ہونے کے اسباب اور وجوہات میں سے ایک بڑا سبب آپ کی فقہات اور اجتہادیت ہے۔ فقہات اور اجتہادیت کے طرز استدلال اور طریقے میں لازمی امر ہے کہ تحقیقات دوسرے سے مختلف ہو سکتی ہیں۔ ابن تیمیہؒ کا یہ تفرّد نفسانیت، مسئلہ اور خواہش نفسی کے جذبہ سے کوسوں دور تھا۔ بلکہ مجتہد منتسب کے درجہ پر فائز ہونے کی وجہ سے تقویٰ اور ورع پر مبنی تھا۔

راہ اعتدال: ابن تیمیہؒ کے متفرد ہونے کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی وہ نہ تو غلو کا پہلو اختیار کرتے ہوئے ایسی تقلید کی حرمت اور حرام ہونے کے قائل ہیں اور نہ ہی وہ ایسی تقلید کے قائل ہیں جو غیر مشروط اور غیر مقید ہو۔ جس میں کتاب و سنت اور اس کے

⁵Taqī al-Dīn Ahmad bin 'Abd al-Halīm Ibne Teimīyah, Majmū' Fatāwā Sheikh al-Islām Ibne Teimīyah (Beirut: Dār al-kutub al- 'Ilmiyyah, 1403 A.H), 2:199.

⁶Abu Zuhrah Muhammad bin Ahmad, Hayātuho wa 'Asruho 'ārā'ho wa fiqhuho (Al-Qāhirah: Dār al-fik al-'arbī, 1991 A.D), 375.

⁷Abu al-hasanāt Muhammad 'Abd al-ḥayy bin 'Abd al-ḥalīm Lakhnawī, Tarb al-amāthil 'Alā hāmish al-fawā'id al-bahīyyah (Karachi: Qadīmī kutub khānah, S.N), 180.

⁸Abu Al-Tayyib Muhammad 'Atā'ullah Bhūjiyanī, Hayāt Sheikh al-Islām Ibn e Teimīyah, 665.

در میان کوئی حد فاصل بھی نہ رہے بلکہ وہ راہ مستقیم پر چلتے ہوئے متوازن اور معتدل راہ کے اختیار کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔ اقتصاد، میانہ روی اور اعتدالیت ہی میں کامیابی کی ضمانت مضمر ہے۔

"ما عال من اقتصد" ⁹

ابن تیمیہؒ اس نازک صورت حال میں اسلام کے مزاج اور قدرتی امر کے مطابق ایک متوسط راہ کو اختیار کرتے ہیں۔ جس کی نظائر اور امثلہ بہت ساری ہیں۔ تقلید کی بے جا عصبیت کے طوفان پر بند باندھتے ہیں تو متفرد نظر آتے ہیں، جبکہ قرآن و سنت کی اتباع کرنے والی تقلید کی تقلید میں مذہب حنبلی کے موافق اور مطابق نظر آتے ہیں۔ عوام اور درجہ اجتہاد سے خالی علماء کیلئے مجتہدین کی طرف رجوع اور ان کی تقلید کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے اور ان آئمہ کی حیثیت و وسائل و وسائل اور ذرائع کی سی ہے اور مذاہب کی پیروی ایک عملی، قدرتی اور دینی امر ہے۔

حلت و حرمت کا معیار: اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول معظم ﷺ کی حلت و حرمت اور وجوب کے ساتھ حلال، حرام اور واجب کی درجہ بندی کے ساتھ معاملہ کرنا تمام انسانوں اور جنوں کیلئے ضروری ہے۔ ظاہری اور باطنی معاملات میں فرض ہے۔ لیکن عوام کے معاملہ میں ایسے دلائل اور براہین اور قرآن و سنت سے براہ راست استنباط کے معاملہ میں کوتاہ ہیں۔ وہ جن مسلمان اماموں کی پیروی کرتے ہیں تو ان کی حیثیت ایک مبلغ کی سی ہے۔ جو اپنی فہم اور استطاعت کے مطابق قرآن و سنت کے مفہوم اور تعلیم کو سمجھاتے ہیں۔ اس کی قرآنی مثال موجود ہے کہ اللہ جل جلالہ کے دو عظیم پیغمبروں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے مقدمہ کا فیصلہ کیا۔ ان میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو خصوصی فہم عطاء فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ نے تعریف دونوں کی ہے۔ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے۔

"فَفَهَّمْنَهَا سُلَيْمَنًا - وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا" ¹⁰

انبیاء کرام اپنی وراثت میں درہم و دینار اور مال و دولت کو نہیں چھوڑ کر جاتے ہیں بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی میراث علم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث علمائے کرام کو ہی قرار دیا گیا ہے۔ ¹¹

مذاہب اربعہ کی اہمیت و حیثیت: ابن تیمیہؒ علماء کرام کی حیثیت اور مذاہب اربعہ کی اہمیت و حیثیت کو ایک مثال سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اجتہاد، احکام کے بارے میں ان چار آدمیوں کی طرح ہیں۔ جو اندھیرے میں کعبہ کی سمت تلاش کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ اور ان چاروں میں سے ہر ایک اپنے گروہ اور جماعت کے ساتھ ایک ایک سمت میں اللہ تعالیٰ کے فرض کو ادا کرنے میں مشغول اور شاغل ہے۔ ہر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ یہی صحیح سمت ہے۔ جس طرف وہ نماز پڑھ رہا ہے، تو ان چاروں گروہوں کی نماز درست

⁹Shams al-Dīn Muhammad bin 'Abd al-Rahmān al-sakhāwī, almāsīd al-ḥasanah fi bayān kathīr min al-aḥādīth al-mushtahirah 'Alā al-sunnah (Beirut: Dār al-kutub al-'Ilmiyyah, 1429 A.H), 423. Hadith No. 962.

¹⁰Al-Anbiyā' 21:78,79.

¹¹'Abd Allāh bin 'Abd al-Rahmān al-dārmī, Sunan al-dārmī (Karachi: Qadīmī Kutub khanah, S.N), 1:110. Hathith No. 342.

ہے۔ اگرچہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے والا ایک ہی ہو گا اور یہی وہ مجتہد ہے جس کو دو گنا اجر و ثواب ملے گا۔ احمد بن عبد الحلیم (728ھ) لکھتے ہیں۔

"فالمصیب للقبلة واحد والجميع فعلوا ما امر به لا اثم عليهم

12"

صحیح حدیث کے مفہوم کے مطابق جب فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرتا ہے، اور صواب فیصلہ پر صحیح جاتا ہے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں۔ اور اگر وہ فیصلہ کرنے میں غلطی کر جاتا ہے تو وہ ایک اجر سے محروم ہو جاتا ہے اور ایک ہی اجر سے نوازا جاتا ہے۔¹³

اسلامی فقہ کا ماخذ: اسلامی فقہ کا ماخذ تو کتاب و سنت ہے۔ جس میں کسی لیت و لعل کی ضرورت ہر گز نہیں ہے اور جس میں انکار کی گنجائش ہر گز نہیں ہے۔ خاص فقہ اور خاص طریقہ کے مطابق احکام شریعت کی بجا آوری اور عبادات کی ادائیگی بھی ایک فطری اور قدرتی امر ہے۔ جس کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ مگر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ کتاب و سنت کی اطاعت کیلئے اپنے آپ کو ہمہ وقت تیار رکھے۔ انسان اپنے والدین آقا، شہر، اور بادشاہ کے دین و مذہب پر پھلتا پھولتا ہے۔ ہوش و حواس سنبھالنے کے بعد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمان برداری کی بجائے قوم، زمانہ، بادشاہ اور رسم و رواج کا پابند رہیگا تو وہ جاہلیت کی طرف کوپلٹنے کی کوشش کر رہا ہے۔ صراط مستقیم کے مل جانے کے بعد اوہر اوہر کے راستوں پر اندھی تقلید میں بھٹک جانا اور اڑ جانا قابل مذمت ہے۔ اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا ہے۔

"وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ

آبَاءَنَا "14

ابن تیمیہ کی تحقیق: جو شخص تحقیق و تدقیق اور استنباط و استدلال پر مہارت تامہ کی صلاحیت و قابلیت رکھتا ہو اور اپنے خدا داد تحقیق اور علم کے مطابق اس حیثیت میں ہو کہ وہ مختلف اقوال میں وجوہ ترجیحات کے ساتھ راجح قول کا علم رکھتا ہو تو اس کے بارے میں ابن تیمیہ کی تحقیق یہ ہے کہ اس کو تقلید کرنا مطلقاً حرام ہے یا جائز ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ باوقت ضرورت و حاجت جائز ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کے پاس وقتی اتنی گنجائش اور وسعت ہو کہ وہ دلیل سے مسئلہ کا استنباط کر سکے اور تحقیق کر سکے یہی قول منصفانہ اور عدل و انصاف کے زیادہ قریب ہے۔

ابن تیمیہ احمد بن عبد الحلیم (728ھ) لکھتے ہیں۔

"وقيل يجوز عند الحاجة كما اذا ضاق الوقت عن الاستدلال

وهذا القول اعدل الاقوال"15

¹²Taqī al-Dīn Ahmad bin 'Abd al-Halīm Ibne Teimiyyah, Majmū' Fatāwā Sheikh al-Islām Ibne Teimiyyah, 20:28.

¹³Muhammad bin Ismā'īl al-Bukhārī, Al-Jāmi' al-Sahīh (Riyād: Dār al-salām, 1429 A.H.), 611. Hadith No.7352.

¹⁴Al-Baqarah 2:170.

¹⁵Taqī al-Dīn Ahmad bin 'Abd al-Halīm Ibne Teimiyyah, Majmū' Fatāwā Sheikh al-Islām Ibne Teimiyyah, 20:212.

اجتہاد میں مہارت تامہ اور تقلید: جس شخص کو اجتہاد میں مہارت تامہ اور قدرت کاملہ حاصل ہو اور وہ نصوص پر گہری نظر رکھتا ہے اور نصوص کا مقابلہ کرنے اور ان کو دور کرنے میں دلائل و براہین اس کا ساتھ بالکل نہ دیتے ہوں تو ایسی صلاحیت و قابلیت کے حامل شخص کیلئے ضروری ہے کہ کتاب و سنت کی پیروی میں پہل کرنے میں کوئی کوتاہی نہ چھوڑے۔ اس کیلئے نصوص کی پیروی اور اتباع لازم اور واجب ہے۔ اس مجتہد کو اس بات کا یقین کامل ہو جائے کہ اس مسئلہ اور مذکورہ مسئلہ کی کوئی ایسی دلیل نہیں ہے۔ جس سے اس وارد نص کو دور کیا جاسکے تو اس پر واجب اور ضروری ہے کہ وہ اس نص پر عمل کرتے ہوئے کتاب و سنت کی بالادستی کو بحال رکھے۔ اگر بصورت دیگر وہ ان وارد شدہ نصوص پر عمل نہیں کرتا ہے اور تقلید پر مصر اور اڑا رہا ہے، تو وہ ظن و تخمین اور خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے والوں میں سے ہو جائے گا۔ اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول ﷺ کا بہت بڑا فرمان کہلائے گا۔ احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ (728ھ) لکھتے ہیں۔

"فهذا يجب عليه اتباع النصوص ان لم يفعل كان متبعا للظن وما تهوى الانفس وكان من اكبر العصاة لله ولرسوله"۔¹⁶

اور ایسے لوگوں کے بارے میں وعید قرآنی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
" اِنْ يَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوٰى اَلْاَنفُسُ "۔¹⁷

حق کا معیار: ابن تیمیہؒ کے متفرد ہونے کی وجہ یہی ہے کہ آپ فقیہات کو کتاب و سنت کے تحت دیکھنا چاہتے ہیں۔ کتاب و سنت کو حق کا معیار بنانے کی آپ نے دعوت دی اور اس پر عمل کر کے دکھایا۔ متفرد ہونے کی شان نے یہ بتلایا کہ کتاب و سنت ہی مسائل کا ماخذ ہیں۔ آپ نے ان مسائل کو قرآن و سنت کی طرف لوٹانے میں مندرجہ ذیل قرآنی ارشاد کا نمونہ بن گئے۔
" فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ "۔¹⁸

قرآن و سنت کی بالادستی: ابن تیمیہؒ نے اپنے تفرقاتی امور سے اس طرف توجہ مبذول کرائی ہے کہ اسلامی فقہ اور احکام کا ماخذ قرآن و سنت ہیں۔ جبکہ فقہی مذاہب اور فقہی دائروں میں ایک عرصہ ہوا احکام و مسائل میں غور و فکر اور تقابل و مقابلہ کا ایک تحقیقی کام نہ ہونے کے برابر ہو گیا تھا۔ اجتہاد اور استنباط کا سلسلہ ایک عرصہ سے مسدود کر دیا گیا تھا۔ آپ نے اپنے تفرد کی وجہ سے مسائل اور احکام کا جب قرآن و سنت کے ساتھ مقابلہ اور موازنہ کیا تو آپ نے بڑی جرات، بہادری اور بے باکی کے ساتھ قرآن و سنت کی بالادستی کو قائم رکھا۔ قرآن و سنت کو معیار حق بنانے میں انہوں نے عملی اقدامات سے ایک روح پھونک دی اور قرون اولیٰ کی مثالوں کی یاد تروتازہ کر دی تھی۔

¹⁶Taqī al-Dīn Ahmad bin 'Abd al-Halīm Ibne Teimiyyah, Majmū' Fatāwā Sheikh al-Islām Ibne Teimiyyah, 20:213.

¹⁷Al-Najam 53:23.

¹⁸Al-Nisā' 4:59.

ابن تیمیہؒ اپنی خداداد صلاحیتوں اور قابلیتوں کی وجہ سے چاہتے تھے کہ جس طرح انہوں نے فلسفہ، منطق، کلامی مباحث اور عقائد کے مسائل میں سب معاملات کو قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی تھی، جس کی وجہ سے ان سب علوم و فنون اور عقائد و افکار نے اسلام کے در دولت پر اپنے عجز کے ساتھ سر تسلیم خم کر دیا تھا۔ بالکل اسی طرح ابن تیمیہ چاہتے تھے کہ فقہ اسلامی میں بھی کتاب و سنت کی بالادستی قائم ہو جائے۔ کتاب و سنت کا ہی نور گھٹا ٹوپ اندھیروں میں امید کی کرن پیدا کر دے اور قرآن و سنت کی خوشبو چار دانگ عالم کو معطر و منور کر دے۔

کتاب و سنت حاکمیت اور بالادستی کے اس جوش و جذبے نے ان کے اندر انفرادی خصوصیات پیدا کر دیں تھیں۔ جن کی وجہ سے وہ متفرد ہو گئے۔ اگر ان حالات و واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو ان حالات و واقعات کا ایک طبعی تقاضا یہی تھا کہ فقہ اسلامی میں کتاب و سنت کے ذریعے ایک جان پیدا کر دی جائے اور یوں مقاصد شریعت کی تکمیل میں ایک قدم آگے بڑھ جائے گا۔ کتاب و سنت کی بالادستی اور حاکمیت کا یہ نعرہ اس عصبيت، تقلید، سیاسی کشمکش اور اخلاقی پستی کے ماحول میں ایک نعرہ "لا تذر" ثابت ہوا۔ جس نے انا، ہٹ دھرمی، عصبيت اور جمود و تعطل کی تمام پیچیدہ گرہوں کو کھونے میں ایک لاشانی کردار ادا کیا تھا۔

اتباع رسول کا جذبہ: اللہ جل جلالہ نے قرآن مجید میں صراحتاً بیان فرمایا ہے کہ اس کی محبوبیت اس وقت تم کو نصیب ہو سکتی ہے۔ جب رسول معظم ﷺ کی اتباع اور فرمانبرداری کی جائے۔ آپ ﷺ کا متبع اور آپ ﷺ کا پیرو کار اللہ کا محبوب بندہ بن جاتا ہے۔ جو ولی اللہ ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ"

ابن تیمیہ نے اس راز کو پالیا کہ محبوبیت کا راستہ وہی راستہ ہے۔ جو قرآن و سنت کی تابعیت میں ہے کتاب و سنت سے اسی شغف اور اشتغال نے آپ کو متفرد بنا دیا۔

مصدر شریعت

ابن تیمیہؒ میں تمام علوم کی جامعیت کی خوبی بدرجہ اتم موجود تھی۔ جس کی وجہ ان کا ذوق مطالعہ، انابت اور خاندانی میراث کا بڑی حد تک عمل دخل ہے۔ ابن تیمیہ کے متفرد ہونے کی وجوہات میں سے ایک وجہ جو نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ وہ مصدر شریعت ہے۔ ابن تیمیہ نہایت دیانتداری اور تقویٰ کی بنا پر مصادر شریعت کو دوسرے تمام معاملات پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث و آثار کے محافظ تھے۔ احادیث و آثار کی موجودگی میں وہ دوسرے عقلی، نقلی دلائل کی طرف اپنی طبیعت کو کم ہی لگاتے تھے۔

احادیث و آثار کی موجودگی یہ بتاتی ہے کہ سلف صالحین کا فہم ہمارے فہم سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔ ان کا افہام و تفہیم ہماری فہم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے۔ وہ اپنے فہم میں طاق اور تام تھے جبکہ ہم اپنے فہم میں ناقص اور خام ہیں۔ اسلامی فقہ کا مطالعہ جب شرف نگاہی اور بصیرت سے کرتے ہیں تو ان کے سامنے فقہ کے عجائب اور غرائب کا ایک ظہور ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان عجائب فقہ اور غرائب فقہ کا جب احادیث سے مقابلہ اور موازنہ کیا جاتا ہے تو آثار و احادیث کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے۔ اس صورت حال میں پرانی روایت اور روش کے برعکس ابن تیمیہ غرائب فقہ میں وہ پہلو اختیار کرتے ہیں۔ جو مصادر شریعت کے زیادہ قریب ہو۔ مصادر شریعت سے قربت اور قرابت کرنے کی یہ توجیہ ان کو تفرّد کی راہ پر لے جاتی ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اپنے تفرّد میں اپنی جیب سے

تراشی ہوتی ایک رائے قائم نہیں کر لیتے ہیں۔ بلکہ آپ کی یہ رائے احادیث و آثار کی روشنی میں مستنبط ہوتی ہے۔ یہ وہی طریق کار ہے جو دوسرے آئمہ مجتہدین اپنی فقہ اور استنباط و استدلال میں اختیار کرتے ہیں۔ آپ کے تفرّد اور رائے میں فرق صرف یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ آپ کا یہ تفرّد صدیوں بعد احادیث و آثار اور مصادر شریعت کے قریب ہونے کی وجہ سے منظر عام پر آیا ہے۔ جبکہ غرائب فقہ کو صدیاں بیت چکی ہوتی ہیں۔ اسی بنا پر تحقیقی اور اجتہادی پذیرائی کی بجائے آپ پر تفرّد کا الزام لگادیا جاتا ہے جو کسی صورت میں انصاف کے قریب نہیں ہے۔

حاجات انسانی

ابن تیمیہ اپنے فتاویٰ جات اور افکار و آراء میں انسانی حاجات کو نہایت قدر و قیمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس بات میں کوئی مفر اور مقرر نہیں ہے۔ جن و انس کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ہوئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" ²⁰

مقصد تخلیق جب اللہ جل جلالہ کی عبادت ہے۔ جہن نیاز کو اس کی بارگاہ میں جھکانا ہے، تو فطری اصولوں کے مطابق اسلام میں تنگی اور اکراہ کو منع کیا گیا ہے۔ اسلام کی عبادات کا تصور نہایت سادہ اور فطرت کے اصولوں کے عین مطابق ہے۔ جس میں کوئی تنگی، حرج اور اکراہ کا تصور نہیں پایا جاتا ہے اور انسانیت کو تکلیف مالا یطاق سے بھی مکلف نہیں کیا گیا ہے۔ برعکس دوسرے مذاہب اور ادیان کے ان میں عبادت اور دوسرے حالات و واقعات نہایت تنگی، تکلیف اور مجبوری سے مکلف ہیں۔ جو بشری تقاضا اور طاقت کے بالکل خلاف ہیں۔ مثلاً عیسائیت میں رہبانیت کا ایک عام شعار تھا۔ اسلام کی آمد نے اس بات کو واضح طور پر ختم کر دیا اور فرمایا:

"لارهبانية في الاسلام" ²¹

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات بشارت و نظارت پر مبنی ہے اور یہ سب تعلیمات دین کی آسانی پر منتج ہوتی ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"الدين يسر" ²²

اسلامی تعلیمات اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ بشارت اور سہولت کے ذریعے سے ان کی نشر و اشاعت ہو۔ نفرت، خوف، تنصیر سے بچا جائے تاکہ انسانیت کو جب قرب کے لمحات نصیب ہوں گے تو وہ آسان راستوں پر چل کر منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:-

"بشروا ولا تعسروا" ²³

جس کا مطلب خوشخبری سناؤ اور تنگی پیدا نہ کرو۔ ابن تیمیہ نے بھی اپنی فقہ کی بنیاد حاجات انسانی کے لحاظ پر کی ہے۔ سہولت کو پیش نظر رکھا ہے جو آپ کے متفرّد ہونے کا ایک سبب بن گئی ہے۔

²⁰ Al-Zāriyāt 51:56.

²¹ Abī Bakr ‘Abdullah bin Muhammad bin Ibrāhīm ibn e abī Sheibah, al-Musannaf (Beirūt: Dār al-Fikr, S.N), 3:449.

²² Muhammad bin Ismā‘īl al-Bukhārī, Al-Jāmi‘ al-Sahīh, Hadith No.39.

²³ Muhammad bin Ismā‘īl al-Bukhārī, Al-Jāmi‘ al-Sahīh, Hadith No.69.

مصلح عامہ

ابن تیمیہ دین میں آسانی پیدا کرنے کے درپے ہوتے ہیں کہ جیسے دین اور دین پر عمل کرنا قرون اولیٰ میں آسان اور عام تھا۔ دین کی وہی کیفیت اور حالت آسانی کی صورت میں اب بھی رائج کر دی جائے تاکہ دین پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ اس لئے وہ مصلحت عامہ کا بہت زیادہ خیال اور لحاظ رکھتے ہیں۔ ایسے معاملات اور واقعات جن میں وہ مصلحت کا پہلو دیکھتے اور سمجھتے ہیں کہ ایسی مصلحت کے خلاف قرآن و سنت میں کوئی نص بھی وارد نہیں ہے تو وہ آسانی کی خاطر اس کو اختیار کرنے میں دیر نہیں کرتے ہیں۔

سہولت اور آسانی دینی معاملات میں پیدا کی جاتی ہے تاکہ لوگوں کا دین پر عمل کرنا آسان ہو جائے اور وہ دین کی ڈگر پر چل پڑیں۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ دین کو کھلونا بنالیا جائے اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کیلئے مسائل کو توڑ موڑ کر اپنے ہی لئے راہ ہموار کر لی جائے۔ ابن تیمیہ اس خیال اور ان کے متعلق ایسا خیال کرنا ہی سوء ادب ہے۔ آپ کے تمام معاملات اور تحقیقات آپ ﷺ کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔ آپ بھی اس مصلحت اور آسانی کے درپے ہیں جنکے بارے میں آپ ﷺ کی تعلیمات موجود ہیں اور آپ ﷺ اپنی امت کیلئے آسانیاں پیدا کرتے رہے ہیں تاکہ دین پر چلنا آسان ہو جائے۔ مصلح عامہ یا مصلح مرسلہ سے مراد یہ ہے کہ کسی فعل میں مصلحت راجحہ موجود ہے اور شرع میں اس کے خلاف کوئی حکم بھی وارد نہیں ہے۔

جلب منفعت و دفع مضرت: اس مصلح عامہ کی تعریف کی روشنی میں یہ بات آسان ہو جاتی ہے کہ ایک مجتہد شریعت کے اصولوں کے مطابق ہی عوام اور امت کے لئے آسانی کی وہ راہ ڈھونڈ نکالتا ہے۔ جس سے شریعت نے منع نہیں فرمایا ہے اور وہ راہ ایسی راہ ہے کہ اس پر چلنے سے دین پر چلنا مزید آسان ہو جائے گا۔ مصلح عامہ یا مرسلہ کی دو اقسام ہیں۔ 1۔ جلب منفعت 2۔ دفع مضرت، ان دو اقسام کی وضاحت یہ ہے کہ مصلحت سے نفع مقصود ہوتا ہے اور فائدہ حاصل ہوتا ہے جو جلب منفعت کا مفہوم ہے۔ جب کہ دفع مضرت کا مفہوم یہ ہے کہ ایسی مصلحت اور طریق کار اختیار کیا جائے کہ نقصان اور تکلیف سے بچا جائے۔ یہ بھی دفع نقصان کی وجہ سے ایک نفع حاصل کرنا ہی ہوتا ہے۔

مصلحت کا دائرہ کار: مصلحت کے بارے میں ایک گروہ غلطی کا شکار ہے۔ ان کے نزدیک مصلحت صرف جان و مال، عرض و عقل اور دین میں محدود۔ ابن تیمیہ کے نزدیک یہ بات غلط ہے کہ مصلحت صرف ان پانچ امور میں محصور نہیں ہے۔ مصلح عامہ اور مرسلہ میں جلب منفعت بھی تعلق رکھتی ہے۔ جس کا دائرہ کار دفع مضرت سے زیادہ ہے۔ اور وہ دین اور دنیا کے کافی سارے معاملات کو دخیل ہے۔ دنیاوی معاملات میں خلق کی بھلائی اور دینی امور میں معارف و احوال اور زہد و عبادت داخل ہیں۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ جو مصلح کو صرف عقوبات یعنی سزاؤں تک محدود اور محصور رکھتا ہے اس کا فکری زاویہ محدود اور تنگ ہے

ابن تیمیہ مصلح عامہ کو اصول استدلال قرار نہیں دیتے ہیں اور صرف نظر سے بھی کام نہیں لیتے ہیں۔ کیونکہ مصلح عامہ سے شریعت صرف نظر نہیں کرتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا دین مکمل ہو چکا ہے اور آپ ﷺ نے ہر اس چیز کو بیان فرمادیا ہے جو جنت کے قریب کرنے والی ہے۔ کوئی شخص ایسی شے کو مصلحت سمجھ بیٹھا ہے۔ جس کے بارے میں شرع وارد نہیں ہے۔ یہ اس کی خام خیالی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شارع کی بیان فرمودہ مصلحت کا اس کے پاس علم نہیں ہے یا وہ شخص مصلحت کو غلط مصلحت سمجھ بیٹھا ہے۔ جو در حقیقت مصلحت ہی نہیں ہے۔ مصلحت کا مفہوم بھی وہی ہے کہ جو حاصل اور غالب ہوتی ہے۔ مصلحت بعض فقہاء کے نزدیک رائے اور استحسان کی اصطلاح سے مشہور ہے، جو مالکیہ کے نزدیک علم کا 10/9 واں حصہ ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ ہر مصلحت حقیقی کو خاص جزئی میں شارع ﷺ کی تائید لازمی طور پر حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ تائید نصوص میں تھوڑی سی توجہ سے مل جاتی ہے یا وہ تائید وقت نگاہی اور ژرف نظری سے مجتہد پالیتا ہے۔

ابن تیمیہؒ کی ہستی وہ ہستی ہے، جس نے شریعت کو عوام الناس کی مصالح کے قریب لانے میں ایک اہم اور ضروری کردار ادا کیا ہے اور آپ نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ مصلحت وہی مصلحت ہوتی ہے جس میں شریعت کی پاسداری اور تائید موجود ہوتی ہے۔ عوام الناس مشکلات میں گھرے ہوئے تھے اور طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا تھے۔ آپ نے شریعت سے مصالح کی قربت کر کے مرض کا درماں کیا۔

آپ کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ جو آپ میں انفرادیت کی خوبی پیدا کر جاتا ہے کہ لوگ مصلحت کا غلط استعمال کر کے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل میں لگے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کے غلط طریق کار کا شدت سے مقابلہ کیا اور اس اصطلاح کے بارے میں وہی فکر اور نظریہ قائم کیا جو شریعت کے عین اصولوں کے مطابق تھا اور قابل عمل بھی تھا۔

مکروہات اور محظورات پر عمل: بعض نام نہاد متصوف نے افراط و تفریط کی حدوں کو پھلانگتے ہوئے اپنی خود غرضانہ مصلحتوں، الہامات اور تصوف کے ذوق کو مصالح عامہ کے نام سے رواج دینا شروع کر دیا تھا اور اس طریق کار سے شریعت کی نصوص کی دیواروں کو منہدم کیئے جانے کی سازش بڑے زور و شور سے جاری و ساری تھی۔ شریعت کے لبادہ میں کارابلیس وسعت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ جس کا عقل سلیم اور منطق سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں تھا۔ مصالح کے غلط استعمال کی وجہ ایک عظیم حرج واقع ہو رہا تھا۔ مصالح عامہ کو اپنے ممنوع امور کے لئے بطور ڈھال پیش کیا جا رہا تھا اور مختلف بہانوں اور حیلوں سے شرعی مصلحتوں کے اعتبار سے صرف نظر کیا جا رہا تھا۔ واجبات اور مستحبات کو ترک کر کے مکروہات اور محظورات پر عمل کیا جا رہا تھا۔

بعض فرقوں کی طرف سے یہ بھی سازش جاری تھی کہ مصالح عامہ کو آڑ بنا کر یہ نظریہ رواج دیا جا رہا تھا کہ مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ جو شے عقل کے ادراک سے حاصل ہو جائے وہ درست اور شریعت کے عین مطابق ہے اور جو شے عقل کے ادراک میں نہ آئے اس کا انکار کر دیا جائے۔ اس آڑ میں یہ بہت بڑی سازش تھی اور راہ مستقیم سے ہٹانے کیلئے سارے اوجھے ہتھکنڈے بھی آزمائے جا رہے تھے۔ اس طرح تو ایمان بالغیب سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ ایمان بالغیب سے ہاتھ دھونے کا مطلب یہ ہے کہ دائرہ ایمان اور اسلام سے نکل جائیں گے۔ حالانکہ یہ عام بات ہے کہ شریعت کے احکام اور اعمال کی مصلحت عام آدمی کی بس میں نہیں ہے۔ جبکہ خواص میں سے اکثر کے ہاں وہ مصلحت ان پر روشن ہو جاتی ہے جو دقت نگاہی اور ژرف نگاہی سے مطالعہ کرتے ہیں۔ اور دوسرے لوگوں کیلئے واضح نہیں ہوتی ہے تو اس میں ہر کسی کی اپنی عقل کا لحاظ ہے۔ ایسی عظمت و رفعت والی شخصیات بھی گزری ہیں جن پر شریعت کی تمام مصالح روشن تھیں۔

ابن تیمیہؒ نے اس طریق فکر کی بھی شدت سے مخالفت کی اور واضح طور پر بتلایا کہ اس میں شریعت کا نقص نہیں ہے۔ اس میں انسانی عقل اور رائے کے تفاوت کا قصور ہے۔ ورنہ شریعت اسلامیہ مصالح کے بالکل قریب ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ مصالح اور اسرار و رموز کسی پر روشن ہوتے ہیں اور کسی پر روشن نہیں ہوتے ہیں۔ بصیرت، ژرف نگاہی، دقت نظر اور تقویٰ میں جتنا کمال حاصل ہوتا جائے گا اتنا ہی مصالح اور اسرار و رموز شریعت میں آگاہی کے نور میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

مصلح عامہ کے بارے میں اپنے فتاویٰ جات اور فقہ میں آپ کے ان ذریں خیالات اور نظریات نے ایک الگ راہ کے انتخاب پر آپ کو مجبور کیا۔ جس میں امت محمدیہ ﷺ کی راہنمائی اور قرون اولیٰ کی شریعت اسلامیہ کے نفاذ کا جذبہ آپ کے قلب و جگر میں جاگزیں تھا۔

مصلح عامہ کی فقہی اصطلاح کو لوگوں نے اپنے مفادات، خیالات اور نظریات کی ترویج اور رواج کے لئے ڈھال کی حیثیت سے غلط استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ اصطلاح ابن تیمیہ کے نزدیک مشکوک بھی ہو گئی پھر آپ نے بروقت اس کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اپنے عملی اقدامات کے ذریعے سے اس کو زندہ اور جاوید بنادیا۔ ہر دور میں یہ مصیبت اور اضطرابیت رہی ہے کہ لوگوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل اور مفادات کی پیشی کے لئے دین کا سہارا ضروری سمجھا ہے۔ شریعت کی ان روشن اصطلاحات کو غلط طریق سے استعمال کرنے کا رجحان صدیوں پرانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن تیمیہ کے دور میں اپنے مخصوص عقائد اور اعمال کو رواج دینے کے لئے اور مالی منفعت کے حصول کے لئے اس فقہی اصطلاح کا سہارا ڈھونڈا گیا اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اس غلط استعمال اور طریق کار نے ظلم و ستم کا ایک بازار گرم کر دیا۔ بادشاہوں اور امراء سلطنت نے لوگوں کے ناحق خون سے اپنی تلواروں کو رنگین کیا۔ ان کی جان و مال پر آفت کا آسمان ٹوٹ پڑا۔

بدعات کا رواج: اہل کلام، تصوف اور رائے نے انکے ساتھ ساتھ حکومت کے بڑے گروہوں نے مصلحت اور منفعت عامہ کے نام پر بدعات کو رواج دیا۔ جو نہ مصلحت ہے اور نہ ہی منفعت کا اس میں کوئی پہلو پایا جاتا ہے۔²⁴

ابن تیمیہ کے متفرد ہونے کی ایک وجہ یہی تھی کہ آپ مصلح عامہ وہ گردانتے اور سمجھتے ہیں جن میں نفی اور اثبات کی صورت میں کوئی دلیل شرعی موجود ہے۔ جن میں کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے آپ اس میں تامل کرتے ہیں کیونکہ ان میں شارع علیہ السلام کی ثبوت اور عدم ثبوت میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ وہ مصلحت درست ہے جس پر دلیل شرعی قائم ہے اور قیاس صحیح کے ساتھ درست ہے۔

ابن تیمیہ نے عام فقہاء کی طرح زمانہ اور اہل زمانہ کا اعتبار نہیں کیا بلکہ آپ نے شریعت کے اعتبار کے ساتھ عوامی مصلحت کو پیش نظر رکھا ہے۔ مصلحت کو شریعت کے قریب لانے کی وجہ سے متفرد ہو گئے ہیں۔

مقاصد شریعت:

اسلام کے جوہر کے بارے میں معلوم کرنا ہو تو اس بارے میں عرض ہے کہ اسلام کا جوہر اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت ہے۔ اس بندگی اور اطاعت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کے احکام کو کما حقہ بجالایا جائے۔ اس حوالے سے اللہ جل جلالہ نے اپنی خاص رحمت اور فضل سے انسانیت کی رشد و ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت کو مبعوث فرمایا ہے۔ جو مختلف ملکوں اور زمانوں میں رشد و ہدایت کے آفتاب بن کر طلوع ہوتے رہے۔ ہدایت کا یہ سامان آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے ذریعے اپنی آخری اور کامل شکل میں بندوں تک پہنچا دیا گیا۔ اللہ کے احکام کی بجا آوری انسان کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فطری طور پر انسان کے ذہن میں یہ سوال جنم لیتا ہے، کہ آخر ان احکام خداوندی اور ان احکام کی پابندی کی نوعیت اور حالت کیسی ہے۔

²⁴Taqī al-Dīn Ahmad bin 'Abd al-Halīm Ibne Teimiyyah, Majmū' Fatāwā Sheikh al-Islām Ibne Teimiyyah, 3:24.

اگر جدید ذہن یہ گمان کرے کہ ان احکام کی بجا آوری اور پابندی میں کوئی حکمت اور مصلحت کا تقاضا نہیں ہے اور ان میں کوئی حکمت اور مصلحت نہیں پائی جاتی ہے تو یہ اس کی خام خیالی، سلفہ اور جنون ہے۔ اور یہ سمجھ لیا جائے کہ اعمال اور ان کی بجا آوری کی صورت میں ثواب و جزاء کے درمیان مناسبت نہیں ہے۔ یہ اس کی کم عقلی اور عدم واقفیت کی دلیل ہے۔

شریعت اور احکام کی پابندی کو ایک مثال کے ذریعے آسانی سے سمجھایا جاسکتا ہے۔ آقا اپنے غلام کی جانچ پرکھ کے لئے ایک پتھر کو اٹھانے اور کسی درخت کو چھونے کا حکم صادر فرمائے جس سے امتحان و آزمائش کے سوا کوئی فائدہ درکار نہ ہو۔ تو اطاعت اور روگردانی کی صورت میں اس کو جزا و سزا کا مستحق قرار دیا جانا قیاس کے بالکل قریب ہے۔ مگر یہ تصور نہایت غلط ہے۔ سنت اور قرون اولیٰ کا اجماع اس کو غلط قرار دیتے ہیں۔

احکام کے اسرار و رموز: عبادات اور معاملات دونوں کے بارے میں شریعت کے احکام میں سے ہر ایک حکم کی کوئی نہ کوئی غایت، حکمت اور مصلحت ہے۔ جو اس کو دوسرے ادیان اور مذاہب سے ممتاز کر دیتی ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ اللہ جل جلالہ کے ان احکام پر عمل کرنا ضروری ہے اور ان احکام کی مصلحتوں اور حکمتوں کو جاننا شرط اور ضروری نہیں ہے۔ احکام کے اسرار و رموز، مصالح اور حکم کی واقفیت اور شناسائی سے انسان کا سینہ کھل جاتا ہے۔ اور اس ادراک کی روشنی میں شرح صدر کے ساتھ عمل میں ہمہ تن گوش اور مشغول ہو جاتا ہے۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ حقیقت حال کھل جائے اور ظاہر ہو جائے تو پھر عمل پذیری کا عمل جوش و جذبہ کے ساتھ سرعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شروع ہو جاتا ہے۔

ابن تیمیہ ان چیدہ چیدہ شخصیات میں سے ایک شخصیت تھے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے احکام کے اسرار و رموز اور مصالح و حکم کے درک میں کافی ساری بصیرت سے مالا مال کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے علم و فضل اور فقہت و اجتہاد کی بنیاد پر زندگی کے مسائل حل کرنے اور راہنمائی کا سامان تیار کرنے میں منفرد اور منفرد نظر آتے ہیں۔

مقاصد شریعت سے آگاہی: ابن تیمیہ نے مقاصد شریعت سے مکاتفہ آگاہی اور واقفیت حاصل کی ہے۔ جس کے نتیجے میں آپ نے احکام شریعت کے باہمی روابط کو باطریق احسن سمجھا ہے اور آپ نے مقاصد شریعت کی روشنی میں نئے مسائل کو نئے حالات و واقعات میں دریافت کرنے میں انتھک کوشش میں کامیاب ہوئے ہیں۔ مقاصد شریعت کے تناظر میں معاشی معاملات، ملکی سیاست اور بین الاقوامی تعلقات میں راہنمائی کے لئے مقاصد شریعت سے آپ کو پوری پوری بصیرت حاصل ہے۔

مقاصد شریعت کی روایتی فہرست میں 1- دین 2- جان 3- عقل 4- نسل 5- مال شامل ہیں۔ جبکہ مقاصد شریعت میں اضافہ کی صورتیں مندرجہ ذیل ہیں۔ 1- انسانی شرف و عزت 2- آزادی اور انفرادی حقوق 3- امن و امان اور نظم و نسق 4- ازالہ غربت اور کفالت عامہ 5- دولت و آمدنی کی تقسیم 6- بین الاقوامی پرامن تعامل۔²⁵

²⁵Muhammad Nijāt Allāh Siddīqī, Maqāsīd Shari‘at (Islamabad: Idārah Taḥqīqāt Islāmī, 2009 A.D.), 21.

ابن تیمیہؒ نے ان مذکورہ مقاصد شریعت کو بنظر عمیق اور بصیرت کے ساتھ مطالعہ فرمایا اور ان کی روح اور جان کو نافذ کرنے میں اپنی پوری صلاحیت اور قابلیت کو صرف کیا۔ انسانیت کی راہنمائی میں متفرد ہو کر اپنی تحقیقات کے زاویوں کو آنے والوں کیلئے جلا بخش گئے ہیں۔

ابن تیمیہؒ نے اپنی انفرادیت کی بنا پر مقاصد شریعت کو جان و مال، عزت و آبرو، عقل اور دین میں محصور کرنے کو درست نہیں سمجھتے ہیں۔ آپ کے خیال کے مطابق منافع و مفادات کا حصول اور نقصان و مضرت کو دفع کرنا بھی مقاصد شریعت میں سے ہے۔ پیش رو لوگوں نے صرف دفع مضرت کو مقاصد شریعت میں گردانا ہے۔ جبکہ آپ کی انفرادی اور اجتہادی کاوشوں میں سے ایک کاوش یہ ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ جلب منفعت بھی دنیوی اور دینی فوائد میں سے ہے اور آپ کی انفرادیت کی وجہ بن گئی ہے۔ جبکہ پہلے اصولی لوگوں کے ہاں اس کا ذکر تک نہ ہے۔

ابن تیمیہؒ نے ان لوگوں پر سخت تنقید اور کلام کیا ہے۔ جن لوگوں نے مقاصد شریعت میں کمی اور کوتاہی کی ہے۔ اس طرح انسانیت ایک بہت بڑی خیر اور اپنی فلاح سے محروم ہونے کے درپے ہو جاتی ہے۔ اور اس کے باوجود سے وہ اپنے ثمرات اور نتائج کے حصول میں آسمان راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں، جو شریعت کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہے۔ خیر، بھلائی اور خیر خواہی صرف نقصان دہ اشیاء کو دور کرنے میں نہیں ہوتی ہے بلکہ اشیاء کے حصول میں بھی بھلائی اور خیر کار فرما ہوتی ہے، بشرطیکہ ان کا حصول طریق شریعت کے عین مطابق ہو۔

اللہ جل جلالہ کے رسول کریم ﷺ کا ارشاد ذیشان ہے کہ "الدین النصیحة"۔²⁶ دین خیر خواہی کا نام ہے۔ دینی خیر خواہی عام ہے کہ وہ خیر خواہی دفع ظلم کی صورت میں ہو یا وہ خیر خواہی استفادہ اور افادہ کی صورت میں ہو۔ یعنی جلب منفعت اسی طرح اہم اور مقاصد شریعت میں سے ہے جس طرح دفع مضرت ہے۔ بصورت دیگر اسلامی اور دینی خیر خواہی میں محصور ہو کر رہ جائے گی اور جس سے معروضی کامیابی کے نتائج کم حاصل ہوں گے۔ مقاصد شریعت کو یکطرفہ اور ناقص قرار دینے کی صورت میں آپ متفرد ہو جاتے ہیں۔

نجات اللہ صدیقی لکھتے ہیں۔

"ابن تیمیہ کی یہ بات اہم ہے کہ مقاصد شریعت کا بیان ایجابی۔ قدروں پر مشتمل ہونا چاہیے جو انسانوں کو صرف مضرتوں سے بچانے پر اکتفا نہ کرتی ہو بلکہ ان کی فلاح و بہبود میں اضافہ کو بھی مطلوب قرار دیتی ہو ان کے نزدیک مقاصد شریعت کی فہرست پنجگانہ، یکطرفہ اور اعتبار سے ناقص ہے۔"²⁷

یہی ابن تیمیہؒ کی خصوصیات اور انفرادیت ہے کہ آپ نے تمام مقاصد کا غور و خوض سے مطالعہ کیا ہے۔ اور ان کی اصلی روح کو ظاہر کرنے میں متفرد ہوتے چلے گئے۔ مقاصد شریعت میں عقل کا بھی ایک اہم کردار ہے اور اس کی حیثیت متعین کرنے کے لئے ابن تیمیہ کے افکار و آراء بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ جس میں عقل کو بھی ایک گونہ حیثیت سے نوازا گیا ہے۔ احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ (728ھ) لکھتے ہیں۔

²⁶ Sharah Al-Arba'in al-Navaviyyah (Lahore: Maktabah Rahmāniyyah, S.N), 36. Hadith No. 7.

²⁷ Muhammad Nijāt Allāh Siddiqī, Maqāsīd Sharī'at, 12,13.

"لكن معرفة ذالك على وجه التفصيل، ومعرفة الغاية التي تكون عاقبة الافعال من السعادة والشقاوة في الدار الآخرة، لا تعرف الا بالشرع"²⁸

مقاصد شریعت کی تجدید و تجدید میں ابن تیمیہ نے انفرادی حیثیت اختیار کی ہے، جس کی وجہ سے ان مقاصد کا دائرہ کار وسعت پذیر ہو گیا ہے اور ان کی افادیت میں دوچند اضافہ ہو گیا ہے۔ اس وسعت پذیر دائرہ کار کی وجہ سے ایک دوسرے سے تبادلہ خیال اور دوسرے امور جن میں امت محمدیہ ﷺ کی خیر خواہی اور بھلائی پوشیدہ ہے۔ وہ بھی ظاہر ہوتی چلی جائیگی۔ مقاصد شریعت کی تجدید، توسیع و توضیح میں جو کارنامہ ابن تیمیہ نے سرانجام دیا ہے، اس لحاظ اور اعتبار سے آپ کی شخصیت میں انفرادیت کا پہلو اجاگر ہو گیا۔ اپنی تحقیقات کے ذریعے سے دوسرے لوگوں کا رخ تحقیق کی طرف موڑنا بھی باہمی روابط اور تعاون کا پیش خیمہ ہے، جو قرآنی تعلیمات ہی کا نتیجہ ہے۔ اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا ہے۔

"وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ"²⁹

"وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى"³⁰

مقاصد شریعت کے ثمرات کے حصول کیلئے اسلامی حکومت کا اہم کردار ہے۔ امام اور رعایا باہم شریک ہیں۔ امام اور رعایا کو دین اور دنیا کے مفادات کے حصول کے لئے معاون اور مددگار ہونا چاہیے۔

ابن تیمیہؒ کی فقہیت اور اجتہادیت: ابن تیمیہؒ کی فقہیت اور اجتہادیت کا ایک سرسری جائزہ لیا جائے تو بات واضح اور روشن ہو جاتی ہے، کہ آپ کی فقہیت اور اجتہادیت کا ایک بڑا حصہ عوام کی راہنمائی کا ہے اور وہ فقہیت اور اجتہادیت جس میں دوسرے مذاہب کے ساتھ تقابل اور موازنہ موجود ہے ان میں بھی عوامی راہنمائی کا ایک سامان موجود ہے۔ جس میں سیاست، شہریت اور جو روستم کے دفع کرنے کا ایک نظام مرتب کیا گیا ہے۔ آپ کے متفرد ہونے کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ آپ نے اسلامی مذاہب کے اندر سے ہر اس چیز کو اخذ کر لیا ہے جن میں آفتاب نبوت کی روشنی اور سلف صالحین کے آثار کا وجود پایا جاتا ہے۔ ان کی فقہیت اور اجتہادیت میں عبقریت کا ظہور ہے جس میں وہ اس بات کے درپے ہیں کہ ان کا مسلک اور ان کی وضاحت سلف صالحین سے ثابت شدہ ہے۔ وہ اس بات کے بھی درپے رہتے ہیں کہ وہ اس کے ثبوت میں مقدمین کی آراء اور افکار کی پیشکش کر سکتے ہیں اور انہیں کے فتاویٰ جات اور انہیں کے اقوال پر ان کا مسلک مبنی ہے۔ وہ اپنے فتاویٰ میں مذاہب اربعہ کے قریب قریب ہی رہتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مسلک کا مرکز و محور سلف صالحین ہی ہیں۔ اسلاف سے بال برابر بھی تجاوز نہیں کرتے ہیں۔

مسائل طلاق میں وہ اپنے مذہب کو آئمہ اربعہ کے قریب قریب کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، مگر از سر نو تحقیق کی صورت میں اختلاف ممکن ہو جاتا ہے۔ جس کے دو سبب ہیں ان میں سے پہلا سبب بھی یہی ہے کہ ان کے سامنے عظیم المرتبت اور رفیع المرتبت آئمہ اربعہ کی شخصیات ہیں۔ اور دوسری طرف شریعت کی نصوص، آثار سلف، اجتماعی مصالح اور مفاسد تھے جو اس بات کے متقاضی تھے کہ

²⁸Taqī al-Dīn Ahmad bin 'Abd al-Halīm Ibne Teimiyyah, Majmū' Fatāwā Sheikh al-Islām Ibne Teimiyyah (Madīnah Mnawwarah: Tabā' bi amr al-malik Fahad, 1425 A.H), 3:115.

²⁹Al-Tawbah 9:71.

³⁰Al-Mā'idah 5:2.

ان عظیم شخصیات سے ادب و احترام اور تحقیق کے دائرہ میں اختلاف کیا جائے۔ ان کے تقویٰ اور دین داری نے ان کو مجبور کر دیا کہ راہ تقلید پر چلنے کی بجائے اسلامی اصولوں کے مطابق مسائل کے حل میں اپنی تحقیق ظاہر کر دی جائے، چاہے اس کی پاداش میں کوہ گراں سے انہیں کیوں نہ ٹکرانا پڑ جائے، تو آپ اپنی تحقیق میں مذاہب آئمہ کو پورے خلوص کے ساتھ جگہ دیتے ہیں۔ انہیں کے اصولوں کی روشنی میں عوام کی مشکلات کا حل اور ان پر عائد پابندیوں کے ازالہ کیلئے وہ انداز تحقیق اختیار کرتے ہیں جس سے وحشت اور نفرت کو دور کیا جاسکے اور کسی پر حرف بھی نہ آئے۔

ابن تیمیہؒ نے اپنی فقہ میں آزاد صاحب استدلال و استنباط اور دلائل و دواہین کی پیروی کرنے والے نظر آتے ہیں۔ تقلید کی روش پر وہ گامزن ہر گز نہیں ہیں۔ اپنی معلومات کی وسعت اور دقت نگاہی کی دولت سے مالا مال ہونے کی وجہ سے وہ اپنے اختیارات اور تفرعات میں کسی مذہب کے پابند ہر گز نہیں آتے ہیں۔ بلکہ وہ قرآن و سنت اور اپنے اصولوں کے مطابق مسائل کے حل میں اپنی کاوشوں کو صرف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ملکہ استنباط میں رسوخ: اس کے علاوہ وہ اپنے فتاویٰ جات میں مذہب حنبلی کی حدود اور قیود کا پاس اور لحاظ رکھتے ہوئے مسائل کی تحقیق میں مصروف نظر آتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مذہب حنبلی کے مقلد محض نہیں ہیں بلکہ وہ اس کے محقق ہیں اور آپ کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ میں ملکہ استنباط راسخ صورت میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ مصادر شریعت، قیاس، آثار کی تحقیق اور مصلحت عوام میں "الذین یسر" کے درپے رہتے ہیں۔ تاکہ عوام پر بوجھ نہ پڑے اور اس طرح اور اس معاملہ میں وہ سلف صالحین اور آئمہ اربعہ کے اسلوب اور منہج کو اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ہیں۔

فقیہہ مجتہد: مقلد محض نہ ہونے اور فقیہ مجتہد ہونے کی وجہ سے آپ متفرد ہوتے ہیں۔ لیکن ایسی مثالیں آٹے میں نمک کے برابر ہیں، جن میں ان کی انفرادیت مذاہب اربعہ یا کسی اور مذہب سے ہم آہنگ نہ ہوتی ہو۔ مثال کے طور پر اگر ان کی رائے میں مذاہب اربعہ سے مطابقت اور موافقت نہیں پائی جاتی ہے تو دوسرے مذہب ظاہری سے مطابق ہو جاتی ہے۔ ایسے مسائل جن میں آپ کل مذاہب بمعنی کل امت سے الگ اور منفرد ہوں ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

فقہ حنبلی کا پاس: وہ اپنے طریق کار میں حد اوسط اور درمیانی رائے کے قبول کرنے کے درپے ہوتے ہیں یا اس کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ان افکار اور آراء میں تطبیق کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ مگر وہ فقہ و حدیث کے مقررہ اصولوں سے ہر گز منفرد نہیں ہوتے ہیں۔ ان کی پیروی کرتے ہیں اور فقہ حنبلی کا لحاظ اور پاس تو آپ ضرور رکھتے ہیں، جس کی تدوین اور تہذیب میں ان کے خاندان کا بہت بڑا حصہ ہے۔

متفرد خصوصیات: ابن تیمیہؒ کے متفرد ہونے کی وجہ سے ان کے متعلق جو کہا گیا یا کہا جاتا ہے۔ ان سے قطع نظر، نظر انصاف سے دیکھا جائے تو وہ اپنی انفرادیت میں فقہ، اصول فقہ اور مصادر فقہ سے تعلق اور ممارست کی وجہ سے ایک خاص مہارت اور ملکہ کے مالک ہیں۔ جو ان کو اپنے اسلاف سے نصیب ہوا۔ ثروت فقاہت، سلف تاخلف وسعت نظری اور بصیرت ایسی خصوصیات اور انفرادیات ہیں جن کا انکار کرنا تعصب اور حسد کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔

مذہب حنبلی کی سہ وی: ہماری نبی تلی رائے کے مطابق ادوات اجتہاد، روایت و روایت اور اصولی اعتبار سے دیکھا جائے تو آپ فقاہت اور اجتہاد کے ایک اعلیٰ مقام پر تھے۔ اگر وہ حنبلی مذاہب کے اصولوں کا پاس اور لحاظ نہ رکھتے ہوتے تو اس صورت ان کو ایک مستقل

اجتہاد کی حیثیت سے ایک مستقل مجتہد کا درجہ حاصل ہونا چاہیے تھا۔ مگر آپ کو اپنے فتاویٰ اور تفردات میں حنبلی مسلک کے اصول و ضوابط کی پابندی کی وجہ سے مذہب حنبلی کے مجتہدین میں شمار کیا جائے تو تو قرین انصاف ہے۔

فقہ اسلامی کی وسعت پذیری: یہ حقیقت ہے کہ ابن تیمیہ کے دور میں فقہ اسلامی اپنی وسعت پذیری آخری حدوں کو چھو چکی تھی۔ اسلام کے آئمہ مجتہدین اور حدیث کے محدثین نے اس فقہ اسلامی کو بحث و مناظرہ کے دور سے گزار کر اتنا مصفیٰ اور منقی کر دیا تھا اور ایسے اصول و ضوابط دیکھ جا چکے تھے جن کی روشنی میں آنے والے وقتوں میں تخریج آسانی سے کی جاسکتی تھی۔ بالفاظ دیگر آئمہ مجتہدین نے پچھلوں کے لیے کسی کام کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی تھی۔

اس کے علاوہ اہل سنت کی فقہ کے علاوہ فقہ شیعیت بھی اپنی تدوین کے دور کو عبور کر چکی تھی۔ خوارج نے بھی اپنی فقہ کو مکمل کرنے میں سرعت کا مظاہرہ کر دیا تھا۔ اصحاب تخریج اور اصحاب اجتہاد اتنی کثرت سے ظاہر ہو چکے تھے، جو اپنی فقہ کے اصول و ضوابط کے مطابق اس کے قیام اور بقا کے لیے سر توڑ کوشش کر رہے تھے اور سبقت لے جانے کے چکر میں ایک دوسرے سے دست بگریباں ہونے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ یہ وہ حالات و واقعات ہیں کہ ابن تیمیہ اپنی فقہی نوادرات اور فتاویٰ جات میں اپنے حوصلے اور ہمت کے مطابق خاص انفرادیت اور استقلالی حیثیت حاصل نہ کر سکے۔ تدوین کے دور کو کافی عرصہ گزر چکنے کے بعد آپ کی تفردیت کو مورد الزام ٹھہرایا جا رہا تھا۔ چہ جائیکہ آپ کو ایک مستقل مجتہد کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا۔

کامیاب رہنمائی و پیشوائی

ابن تیمیہؒ کے متفرد ہونے کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ نے فقہ کے بارے میں ایک کامیاب راہنمائی اور پیشوائی کے ساتھ ساتھ انقلابی حیثیت کا بھی نعرہ لگایا تھا۔ اس دور میں فقہ کے اندر جو فتاویٰ جات دیکھے جاتے تھے۔ ان کی نوعیت و واقعات و حوادث کے مطابق تھی۔ زمانی اور عرفی اختلاف نے ان میں سے ایک خاص قسم کا تنوع پیدا کر دیا تھا۔ جس کا سبب یہ ہے کہ اسلام کی سرحدیں اپنی اشاعت کے حوالے سے مشرق تا مغرب پھیل چکی تھیں۔ ان ممالک اور شہروں کے طبعی لحاظ سے اپنے حوادث اور اپنے واقعات تھے، تو اصحاب تخریج علماء نے ان ممالک اور شہروں کے حوادث و واقعات اور زمان و مکان کے عرف کے مطابق راہنمائی و پیشوائی میں مصروف عمل تھے۔ ابن تیمیہ کے زمانہ کے حوادث اور واقعات قریبی ممالک اور شہروں میں یکساں اور برابر تھے۔ ان شہروں اور ممالک میں مدون فقہ اور مذاہب اسلامیہ کے مطابق ان حوادث اور واقعات کی راہنمائی میں اور پیشوائی میں پورے خلوص کے ساتھ کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی تھی۔

اس زمانہ کے علماء جو اپنی اپنی فقہ کے مطابق حوادث و واقعات کے حوالے سے علمی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ ان کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا ہے کہ وہ جامد علماء تھے۔ کیونکہ آج اس دور میں بھی حوادث و واقعات کی نوعیت کے مطابق گزشتہ اسلامی فقہی ذخیرہ میں سے نتائج کو تلاش کر کے راہنمائی کا حق ادا کیا جاتا ہے۔ ان علماء کے خلوص کا یہ عالم تھا وہ علماء تو کبھی کبھی براہین اور دلائل کی روشنی میں اپنے آئمہ سے اختلاف بھی کرتے تھے۔ اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ بسا اوقات شوافع اور مالکیہ نے حنابلہ کے اقوال پر فتویٰ دیا ہے۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ وہ علماء جامد نہیں تھے۔ وہ اس مسلک کو بعض اوقات قبول کر لیتے تھے جو کتاب و سنت کے زیادہ قریب ہوتا تھا۔

ابن تیمیہؒ نے اپنے زمانہ کے حوادث اور واقعات کے مطابق حنبلی مذہب کے اصولوں کی پیروی میں مقلد محض اور جامد ہونے کا بالکل ثبوت نہ دیا آپ نے جمود و تعطل کی ساری سلاخوں کو توڑ دیا اور کتاب و سنت کی روشنی میں کامیاب راہنمائی اور پیشوائی میں متفرد ہو گئے، مگر فقہ اسلامی میں جو جمود و تعطل تھا بھی تو آپ نے اس کو متحرک کر کے محرک ثابت ہوئے۔

وراثت علمی سے استفادہ

ابن تیمیہؒ آبائی وراثت علمی کے ساتھ ساتھ اپنی محنت شاقہ اور ذوق مطالعہ کی بصیرت افروز وراثت علمی سے پورا پورا استفادہ کرنے کی وجہ سے اپنی نگارشات میں منفرد نظر آتے ہیں۔ ابن تیمیہؒ نے جب فقہی میدان عمل میں قدم رکھا تو آپ کے سامنے مذاہب اربعہ کے علاوہ امامیہ، زیدیہ، ظاہریہ اور اباضیہ کے مذاہب اور ان کی فقہ کے اقوال اور احوال کا ایک انبار لگا ہوا تھا۔ جن میں سے ہر ایک مذہب اپنی اپنی جگہ مختلف مناجع، طریقہ استنباط اور استدلال میں انفرادیت رکھتا تھا اور دوسرے مذاہب سے قدرے مختلف تھا۔ اس صورت حال میں اس بات کے کیئے جانے کا امکان باقی رہ جاتا ہے کہ ابن تیمیہؒ کو کیا ضرورت پیش آئی تھی کہ وہ ایک ایسی بات کریں جو ان مذاہب سے کوئی لگاؤ نہ رکھتی ہو، حالانکہ ان مذاہب میں کوئی ایسی نہ ایسی بات موجود ہے جو آنے والوں کیلئے حق اور صواب کی راہ اختیار کر سکتی ہے۔ جس کی آسان سی مثال یہ ہے کہ ابن تیمیہؒ کے اقوال، اجتہادات اور فتاویٰ جات جن میں وہ متفرد ہوئے ہیں۔ کی باتیں ان مذاہب میں بھی آسانی سے تلاش کی جاسکتی ہیں۔ حیرت اور ورطہ حیرت میں ڈالنے والی بات تو تب ہوتی جب ابن تیمیہؒ اپنے تفرقات میں سے ایسی بات پیش کرتے جو مجملہ مذاہب میں سے کسی مذہب کے اندر بھی وہ بات نہ پائی جاتی ہو، تو پھر درست تھا کہ آپ نے یہ حیرت انگیز اور تعجب والا قول کیا ہے۔

دینی تصلب اور ایمانی قوت: اس صورت حال کی حقیقت یہ ہے کہ آئمہ اربعہ اپنے فتاویٰ جات اور اقوال میں اخذ و استنباط کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے اور ساتھ ساتھ ان کا یہ شعار تھا کہ وہ تفرقات اور انفرادیت سے بچتے تھے۔ جس کی وجہ دینی تصلب اور ایمانی قوت تھی اور اپنی رائے میں دوسرے کی رائے کی تائید سے حوصلہ افزاء حالات رائے صواب کی قربت کو بہتر سمجھتے تھے۔ یہی طریقہ کار ابن تیمیہؒ نے اپنایا ہے کہ آپ ساری اسلامی فقہ کے ذخیرہ سے استفادہ کرتے ہیں اور حتی الامکان کوشش میں رہتے ہیں کہ انفرادیت کی راہ سے دور رہیں مگر ساتھ ساتھ دینی تصلب اور ایمانی قوت کے مطابق دلائل و براہین کی روشنی میں منفرد ہوتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں دینی تصلب اور قوت ایمانی کا جذبہ ان کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے۔

وسعت اجتہاد

ابن تیمیہؒ کی فقہیات کا بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت بھی کھل جاتی ہے کہ وہ اپنی فقہیات میں ظاہری طور پر حنابلہ کے اصول و ضوابط اور ان کی آراء و افکار کے پابند رہتے ہیں اور حتی الامکان کوشش کرتے ہیں کہ وہ اس مذہب کے دائرہ کار سے باہر نہ نکلیں۔ فقہ کی جزئیات میں اختلاف کا دار و مدار بھی حنابلہ کے اصول و ضوابط پر مبنی ہوتا ہے اور اپنے افکار و آراء پر حنابلہ کے اصول و ضوابط کو منطبق کرنے میں پوری کوشش بروئے کار لاتے ہیں۔ بصورت دیگر حنبلی مذہب سے کوئی نظیر اور مثال تلاش کر ہی لاتے ہیں۔ جن سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی فقہیات میں اول سے لے کر آخر تک حنبلی مسلک کے پیروکار ہیں۔

دوسرے مذاہب اسلامیہ کے مقابلہ میں حنابلہ کے ہاں اجتہاد کی وسعت پذیری بہت زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حنابلہ کے اکثر علماء کے نزدیک یہ بات ہے کہ کسی دور کا مجتہد مطلق سے خالی رہنا درست نہیں ہے۔ محمد بن علی شوکانی لکھتے ہیں۔

"فذهب مجمع الى انه لا يجوز خلو الزمان عن مجتهد"، وقالت

الحنابلة لا يجوز خلو العصر عن مجتهد³¹

حنابلہ کے ہاں کبھی بھی تحقیق اور اجتہاد کا دروازہ مقفل نظر نہیں آیا ہے۔ وہ ہر صاحب صلاحیت اور قابلیت کو دعوت اجتہاد دیتے ہیں کہ وہ حنابلہ کے اصول و ضوابط کے مطابق اپنے تحقیقی دائرہ کار کو وسعت دیتا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ حنابلہ کا کوئی دور مجتہدین سے خالی نہیں رہا ہے۔ یکھلیہ کہ ابن تیمیہ نے حنابلہ کے اجتہاد کو اپنی فقہیات کی وجہ سے اوج ثریا پر لے جانے میں کمال کر دکھایا، یہی وجہ ہے کہ حنابلہ میں اقوال کی کثرت ہے۔ حنابلہ کے ہاں جو قول امام احمد کے اصول و ضوابط پر تخریج شدہ ہو گا وہ مذہب حنبلی ہی شمار کیا جائے گا۔ کثرت اجتہاد کی نمو اور شادابی کی وجہ سے ابن تیمیہ اپنے تفردات میں امام احمد کے اصول و ضوابط پر ہوتے ہیں اور نئی تحقیقات کی وجہ سے منفرد نظر آتے ہیں جو ان کی انفرادی خوبی ہے۔

ہمارے خیال میں یہی وجہ ہے جس میں وہ مورد الزام ٹھہرائے جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو یہ حقیقت حال بھی کھل جائے گی اور ظاہر ہو جائے گی۔ آپ اپنے تفرد کی صورت میں بھی کسی نہ کسی مذہب سے لازمی طور پر میلان اور لگاؤ رکھتے ہیں۔ ابن تیمیہ کے ان مسائل اور فتاویٰ جات کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے جن میں وہ منجملہ مذاہب سے الگ تھلگ راہ پر چل نکلے ہیں۔ اجتہاد کی بنیادی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ دلائل کی پیروی کی جائے۔ دلائل کی پیروی اور تقلید مطلق کی پہلو تہی آپ کے متفرد ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب بن گیا ہے۔

ابن تیمیہ نے اپنے تفردات کی وجہ سے اسلامی روح اور اسلامی طرز فکر میں ایک جان پیدا کر دی تھی اور قرون اولیٰ کے دینی تصلب اور قوت ایمانی کے جذبہ میں محرک ثابت ہوئے تھے کہ ہر حال میں اللہ جل جلالہ اور رسول معظم حضرت محمد ﷺ کی اتباع اور اطاعت کی جائے۔ جو دین اور دنیا میں سرخروئی کی واحد ضمانت ہے۔ آپ نے اطاعت کے اسلامی تصور کو واضح اور نکھار کے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

"مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ"³²

ابن تیمیہؒ کی اپنی فقہی کاوشوں اور نگارشات میں بنظر عمیق نظر دوڑائی جائے تو یہ بات روشن ہوتی نظر آتی ہے کہ ابن تیمیہ رجال کے تابع نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ دلائل اور براہین کے تابع نظر آئے ہیں۔ آپ ہر اس مذہب کی موافقت اختیار کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں، جس میں دلائل و براہین، قیاس و کیاستی اور کتاب و سنت کی قوت موجود ہو اور اس ترتیب میں کتاب و سنت درجہ اولیٰ میں گردانتے ہیں۔ ابن تیمیہؒ اپنی فقہیات میں اگرچہ رجال کے تابع نہیں ہوتے ہیں مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے خود ساختہ اصولوں اور ضابطوں کی بنا پر اپنی فقہیات کی بنیادیں استوار کر دیتے ہیں۔ اس کا آسان سا مطلب یہ ہے کہ ابن تیمیہ رجال کے دلائل و براہین اور ان کے اثبات و اختلاف سے متعلقہ تمام لوازمات کا اصول و ضوابط کی روشنی میں تجزیہ کرتے ہیں۔ اگر ان کا تجزیہ اصول و ضوابط کی روشنی میں درست ہو پاتا ہے تو وہ رجال کو اہمیت دینے اور ان کی قدر و قیمت میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے ہیں اختلاف رجال سے نہیں ہے۔

³¹Muhammad bin 'Alī Al-shawkānī, Irshād al-fahūl ilā Tahqīq al-ḥaq min 'ilm al-Usūl (Riāḍh: Dār al-Faḍḥīlah, 1421 A.H), 2:1035,1037.

³²Al-Nisā' 4:80.

ابن تیمیہ اپنے تفردات میں کسی کی علمی جاہ و جلالت، منصب، تعصب و عداوت اور دوسرے کی تحقیق کی راہ میں حائل امور سے نہ مرعوب ہوتے ہیں اور نہ ہی ان سے اپنے آپ کو آلودہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنی صلاحیت و قابلیت کی روشنی میں اجتہادی امور کو بروئے کار لا کر جو قول ان کے سامنے حق کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے اور جس کی پشت پر دلائل و براہین ہوتے ہیں اس کے قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے ہیں۔ اگرچہ ان پر کیسا ہی دباؤ کیوں نہ ہو۔